علی غالب ما فی تفاسیر السلف من التفاسیر المرفوعة الی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتفاسیر الصحابۃ ومن بعدھم وما فاتہ الا القلیل النادر ۱ؔ

تفسیر کی کتابوں پر حاوی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ و تابعین کی مسند متصل روایات کی جامع ہے۔ اگر اس سے کچھ رہ بھی گیا ہے تو وہ بہت تھوڑا ہے

علامہ سیوطی سے اس موضوع پر اگر کچھ رہ بھی گیا ہے تو وہ اس وجہ سے نہیں کہ علامہ موصوف کو اس کا علم نہ تھا بلکہ اس کی اصل وجہ کتب تفاسیر کا عدم دستیاب ہونا تھا۔ موصوف کو تفسیر کی بعض کتابیں تلاش و جستجو کے باوجود بار صرف اس وقت نہیں مل سکی تھیں، ان کے تفحص و تلاش کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ امام وکیع کے شاگرد شیخ سنید بن حسین مصیصی المتوفی ۲۲۶ھ کی تفسیر مسند کو موصوف نے کم و بیش بیس برس تک تلاش کیا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ موصوف کے شاگرد شیخ عبدالوہاب شعرانی المتوفی ۹۷۳ھ کا بیان ہے۔

طالعت تفسیر الامام سنید بن عبد اللہ الازدی یروی عن وکیع وھو تفسیر نفیس وقد تطلبہ الشیخ جلال الدین السیوطی عشرین سنۃ فلم یظفر بنسخۃ منہ ثم جردت احادیثہ وآثارہ فی مجلد ۲ؔ

میں نے امام سنید بن عبداللہ ازدی سنید بن حسین مصیصی کی تفسیر کا مطالعہ کیا ہے۔ موصوف وکیع المتوفی ۱۹۶ھ سے روایت کرتے ہیں۔ یہ نہایت عمدہ تفسیر ہے۔ اس کو شیخ جلال الدین سیوطی نے بیس برس تلاش کیا مگر ان کو اس کا نسخہ حاصل کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ مطالعہ کے بعد میں نے اسکی احادیث و آثار کی تلخیص بھی ایک مجلد میں کر دی ہے۳ؔ

۱ؔ فتح الصمد علی ... طبع مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر ۱۳۵۸ھ ج ۱ ص ۲

۲ؔ لطائف المنن ص ۵۳

۳ؔ ... [illegible] ... نقل کیا ہے۔

[illegible] الکتانی (م ۱۳۴۵ھ) نے فہرست الفہارس والاثبات میں تفسیر
منثور [illegible] کا [illegible] ہے، [illegible]

الدر المنثور [illegible] مطبوع	درمنثور [illegible] چھ ضخیم جلدوں میں چھپ
في ست مجلدات [illegible]	چکی ہے [illegible] جو اس کا بغور مطالعہ کرے گا
يجمع [illegible]	یہ اس کے ہوش گم کر دے گی حیران [illegible]
[illegible]	کر دے گی جس نے اس کا مطالعہ نہیں کیا
[illegible]	[illegible] چار حرف پڑھ لے
[illegible] لا يعلم	[illegible] تفسیر کو چھوڑ کر [illegible]
[illegible]	نے مطالعہ کی [illegible] اچھا [illegible] اور جو نہیں
[illegible]	[illegible] اختیار کرے تو اختلاف
[illegible]	[illegible] جاتا ہے

کسی ترکی عالم نے درمنثور کا مختصر بھی ایک جلد میں مرتب کیا تھا اس کا قلمی نسخہ قاہرہ کے کتب خانہ تیموریہ میں محفوظ ہے[2]

---

[1] ملاحظہ ہو فہرس الفہارس والاثبات طبع فاس ۱۳۴۶ھ ج ۲ ص ۳۵۸

[2] فہرس الخزانۃ التیموریہ [illegible]

[illegible]

ابن خلدون بحیثیت ایک مفکر تعلیم

ابوالفتوح محمد التونسی

حالات زندگی

ابن خلدون ۷۳۲ھ میں تیونس میں پیدا ہوا۔ اس کا خاندان اسپین کے مشہور شہر اشبیلیہ
سے ترک وطن کر کے یہاں آباد ہو گیا تھا۔ ابن خلدون کے زمانے میں اسپین سے آنے والے
ں کی ایک کثیر تعداد تیونس میں موجود تھی۔ نیز خود ابن خلدون کا اپنا بڑا علمی خاندان تھا
اور صدیوں سے اس کے افراد مختلف اسلامی حکومتوں میں اعلیٰ عہدوں پر سرفراز ہوتے چلے
آرہے تھے۔ یہ ماحول تھا جس میں ابن خلدون نے آنکھیں کھولیں اور نشوونما پائی۔

ابن خلدون نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ اس کے بعد اس نے اسپین سے
نے والے علماء سے پورا استفادہ کیا۔ وہ ابھی بیس سال کا ہی تھا کہ تیونس کے حکمران کا کاتب بن
لیکن یہاں وہ زیادہ دیر نہ ٹھہرا، تیونس سے وہ شمالی افریقہ کی دوسری ریاستوں میں
کے بعد دیگرے منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ اندلس پہنچا، اندلس کے فرمانروا [illegible]
اسے اپنے اہل دربار میں شامل کر لیا، اور اپنا سفیر بنا کر اسپین کے ایک عیسائی فرمانروا
پاس بھیجا، وہاں سے واپسی پر ابن خلدون کو اندلس بھی چھوڑنا پڑا۔ اور وہ پھر شمالی افریقہ
یا۔ اس دفعہ پھر شمالی افریقہ میں اسے کہیں چین نہ ملا۔ اور وہ ایک ریاست سے دوسری
ت میں قسمت آزمائی کرتا پھرا۔ آخر وہ اس سیاسی زندگی سے تنگ آگیا۔ اور اس نے علمی
ی اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ۷۷۶ھ میں ابن خلدون اپنے ایک دوست قبیلہ بنو عریف

کے الی پہنچا۔ اور ۱۳۷۸ء تک وہیں رہا۔ اس عرصے میں اس نے اپنا مقدمہ تاریخ لکھا
جس نے اس کے نام کو زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ اتفاق سے یہ پرسکون زندگی بھی ابن خلدون
کو راس نہ آئی، اور وہ اس گوشۂ تنہائی سے پھر قسمت آزمائی کو نکل پڑا، لیکن دشمنوں نے
اس کو آرام سے بیٹھنے نہ دیا۔ آخر وہ مجبور ہو کر حج کے ارادے سے مشرق کی طرف چل پڑا اور وطن
سے ... ۱۳۸۲ء میں قاہرہ پہنچا

قاہرہ پہنچنے سے پہلے ابن خلدون علمی و سیاسی دونوں لحاظ سے کافی پختہ ہو چکا تھا
اور اس نے وہ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف مقدمہ تاریخ بھی لکھ لی تھی، جس زمانے میں وہ قاہرہ
پہنچا، قاہرہ تاتاریوں کے ہاتھ سے ۱۲۵۸ء میں بغداد کی تباہی کے بعد اسلامی عربی ثقافت
کا سب سے بڑا مرکز بن چکا تھا۔ اور وہاں علم و علماء کی بڑی قدر دانی ہوتی تھی۔ یہ ملک
سلطان برقوق کا زیر اقتدار تھا۔ قاہرہ پہنچتے ہی اس کے قدم جم گئے، اس نے جامعہ ازہر
میں درس دینا شروع کر دیا، اور اس کے ارد گرد اہل علم کا ایک حلقہ بھی جمع ہو گیا پھر
اسے مالکی قضا کا عہدہ مل گیا۔ لیکن یہاں بھی تقدیر کے نشیب و فراز نے اس کا ساتھ نہ چھوڑا
وہ کئی بار قاضی بنا اور کئی بار اسے برخاست کیا گیا۔ اسی زمانے میں اسے ایک اور المناک حادثے
سے دوچار ہونا پڑا۔ اس کے اہل و عیال تیونس سے سمندری جہاز کے ذریعہ مصر آ رہے تھے
کہ وہ راستے میں ڈوب گئے۔ ایک دفعہ تاتاری دمشق پر حملہ آور ہوئے، تو وہ سلطان مصر
کے ساتھ محاذ جنگ پر گیا، اور جب سلطان مذکور بغیر لڑے قاہرہ لوٹ گیا، تو دمشق کو حملہ آوروں
کی غارت گری سے بچانے کے لئے وہ تاتاریوں کے فرمانروا امیر تیمور سے ملا۔ اور اس سے
دیر تک گفت گو کی ابن خلدون نے اس ملاقات کا ذکر کیا ہے۔

ابن خلدون نے کافی لمبی عمر پائی، جو آخر میں تمام تر درس و تدریس اور تصنیف و
تالیف میں گزری۔ اس نے کئی کتابیں لکھیں۔ ایک کتاب منطق پر تھی، ایک کتاب میں
فلسفہ ابن رشد کا اختصار کیا۔ اس نے فقہ، ادب، اور حساب پر بھی تصنیفات کیں، لیکن
سوائے اس کی تاریخ کے باقی تمام کتابیں ضائع ہو گئیں۔

تعلیم و تربیت پر بحث۔ فلسفہ تاریخ کے اصول وضع کرنے میں ابن خلدون

اہمیت حاصل ہے، اور اسی طرح وہ پہلا مورخ ہے جس نے علم عمرانیات کی طرح ڈالی۔ اس کے علاوہ ابن خلدون نے اپنے زمانے کے طریقہائے تعلیم و تربیت پر بھی بڑی قابل بحثیں کی ہیں اور اس ضمن میں ایسے افکار پیش کئے ہیں جن کی مدد سے ایک جدید طریقۂ تعلیم و تربیت ترتیب دیا جا سکتا ہے۔

اسلامی تعلیم و تربیت کے پیش نظر دو مقصد ہوتے تھے، ایک دینی، دوسرا دنیوی۔ قرآن کریم کی آیت۔ "وابتغ فیما اتاک اللّٰہ الدار الاخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا" (جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے اس میں دار آخرت کو طلب کرو اور اس دنیا کا بھی اپنا حصہ نہ بھولو) میں ان دونوں مقاصد کی طرف بڑا جامع اشارہ ملتا ہے۔ اسی طرح رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث "اعمل لدنیاک کانک تعیش ابداً، واعمل لآخرتک کانک تموت غداً" (اپنی دنیا کے لئے اسی طرح کام کرو جیسے تم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ رہوگے، اور آخرت کے لئے اس طرح کام کرو، جیسے تم کل ہی مر جاؤ گے) میں اس کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔
غرض اسلامی تعلیم و تربیت میں ان دونوں مقاصد کو بڑی خوبی سے جمع کیا جاتا تھا۔

تعلیم میں قرآن کی مرکزی حیثیت ۔ گو مختلف اسلامی ملکوں میں وہاں کے ماحول کے مطابق تعلیم و تربیت کے طریقے مختلف رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق تھا کہ قرآن مجید ہی اصل دین اور تمام علوم اسلامیہ کا منبع و مصدر ہے۔ چنانچہ جہاں تک عربی ممالک کا تعلق ہے ان میں سے ہر ایک میں قرآن ہی تعلیم کا اصل اصول ہوتا تھا۔ اور اسی مرکز کے ارد گرد دوسرے علوم کی تعلیم گھومتی تھی۔ ابن خلدون اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"اس سے مقصود بچے کے اندر عقائد ایمانیہ کو راسخ کرنا اور دین کے ذریعہ اچھے اخلاق کے اصولوں کو جاگزیں کرنا ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ دین نفوس کو مہذب بناتا، اخلاق کو ٹھیک کرتا اور نیکی کے کاموں پر ابھارتا ہے۔"

مسلمانوں کے ہاں تعلیم کے دو درجے ہوتے تھے۔ ایک ابتدائی، دوسرا عالی۔ شمالی افریقہ میں بچوں کو ابتدائی درجے میں صرف قرآن حفظ کرایا جاتا تھا۔ اور اس کے ساتھ اور کچھ

نہیں پڑھایا جاتا تھا۔ اہل اندلس بچوں کو قرآن مجید کے ساتھ ساتھ عربی ادب۔ نظم و نثر اور اصول قواعد بھی پڑھاتے تھے۔ اور انہیں خوش نویسی بھی سکھائی جاتی تھی۔ باقی رہے اہل مشرق یعنی بغداد اور اس کے آس پاس کے ملکوں کے باشندے، ان کے ہاں بچوں کی تعلیم کا وہی طریقہ رائج تھا، جو اہل اندلس میں تھا۔ وہ قرآن مجید حفظ کرانے کے ساتھ ساتھ دوسرے مضامین بھی پڑھایا کرتے تھے۔ البتہ اہل اندلس کے مقابلے میں قرآن مجید کی تعلیم پر زیادہ زور دیتے تھے۔ مزید برآں ان کے ہاں عام درس سے الگ خوش نویسی سکھانے کا انتظام ہوتا تھا۔ اور اس کے لئے مستقل ادارے تھے۔ چنانچہ جنہیں خاص طور پر خوش نویسی سیکھنی ہوتی، وہ ان اداروں کا رخ کرتے۔

ابن خلدون کی تنقید۔ ابن خلدون ان طریقہ ہائے تعلیم پر تنقید کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اہل مغرب و افریقہ کا شروع میں بچوں کو صرف قرآن مجید ہی پڑھانے پر اکتفا کرنا انہیں اپنے خیالات کو اچھی طرح ادا کرنے سے قاصر رکھتا ہے۔ یہ اس لئے کہ وہ بچوں کو قرآن تو حفظ کرا دیتے ہیں، لیکن انہیں ان کی عقلی استعداد کے مطابق قرآن کے اسلوبوں سے واقف نہیں کراتے اور یہی طریقہ تعلیم اس وقت مصر میں رائج ہے۔ اہل شمالی افریقہ کے برعکس جیسا کہ اوپر بیان ہوا اہل اندلس بچوں کو قرآن کے ساتھ ساتھ ادب عربی، نظم و نثر اور خوش نویسی کی بھی تعلیم دیتے تھے اس ضمن میں ابن خلدون قاضی ابوبکر بن العربی کا ذکر کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ ان کا اپنا ایک طریقہ تھا، جس میں انہوں نے بڑی جدت کی تھی۔ ان کے طریقے کا خلاصہ یہ ہے۔ شعر عربوں کا تاریخی صحیفہ ہے، چنانچہ تعلیم میں اسے مقدم رکھنا چاہیئے۔ اسی طرح درس و تدریس میں عربی زبان مقدم رہے۔ جب بچے کو اس پر قدرت حاصل ہو جائے، تو وہ حساب سیکھے اس کی مشقیں کرے اور اس کے قوانین کو جانے اس کے بعد وہ قرآن پڑھے۔ ابن العربی کی رائے میں اگر بچے کی اس طرح تعلیم ہو گی تو وہ قرآن مجید زیادہ اچھی طرح سمجھے گا اور اس کے مطالب بھی بچے کے ذہن نشین ہوں گے۔ ابن خلدون نے ابن العربی کے اس طریقہ تعلیم کو بہت سراہا ہے، لیکن وہ لکھتا ہے کہ شمالی افریقہ والے اپنے بچوں کو اس طرح تعلیم دینے کے عادی نہیں اور اس

وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک قرآن مجید سے تعلیم کی ابتدا ثواب و برکت کا موجب ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اگر بچے نے صغیر سنی میں جب کہ وہ ان کے دباؤ میں ہوتا ہے، قرآن نہ پڑھا، تو ممکن ہے وہ بڑا ہو کر اس سے محروم رہے، اور بعد میں قرآن نہ پڑھ سکے۔

تعلیم کا درجہ عالی۔ ابتدائی درجے کے بعد درجہ عالی ہوتا تھا۔ اس میں جو علوم پڑھائے جاتے تھے، ابن خلدون نے ان کی دو قسمیں کی ہیں۔ ایک تو وہ علوم، جو مقصود بالذات ہیں۔ اور یہ شرعی علوم ہیں۔ جیسے فقہ، تفسیر، حدیث، کلام، طبیعیات، الٰہیات اور فلسفہ، دوسرے وہ علوم جو مقصود بالذات نہیں اور ان کی حیثیت پہلے علوم کے لئے ذریعہ اور آلہ کی ہے۔ جیسے عربی، حساب اور منطق۔ ابن خلدون کی رائے میں پہلی قسم کے علوم کی تعلیم کے دائرے کو وسیع اور ان کی جزویات کے احاطے کرنے کی ضرورت ہے۔ البتہ جہاں تک علوم کی دوسری قسم کا تعلق ہے ان کی تعلیم کا دائرہ صرف اتنا ہی وسیع ہونا چاہیئے جتنا کہ اصل مقصد کے لئے ضروری ہو۔ چنانچہ اس نے ان علماء پر سخت نکتہ چینی کی ہے، جو آخر الذکر علوم یعنی علوم آلیہ کے دائرہ تعلیم کو بہت زیادہ وسیع کر دیتے ہیں۔ اس طرح طالب علموں کا وقت ضائع کرتے ہیں۔ اور انہیں اصل مقصد سے بھی محروم رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ابن خلدون نے علم نحو میں طرح طرح کی موشگافیاں کرنے والوں پر سخت اعتراضات کئے ہیں۔ اس کے زمانے میں نظام تعلیم میں علم نحو کو ان علوم پر جو مقصود بالذات ہیں، زیادہ اہمیت دی جاتی تھی وہ لکھتا ہے:۔ علم نحو کی تعلیم نظری نہیں ہونی چاہیئے۔ کیونکہ اس سے اصل غرض تو بچوں کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ اپنے دلی خیالات کو اچھے انداز میں پیش کر سکیں۔ صحیح عبارت پڑھ سکیں اور جو پڑھیں اسے سمجھ لیں۔ علم نحو اور علم بلاغت کے بارے میں ابن خلدون کی رائے یہ ہے کہ جب تک بچہ مناسب عمر کو نہ پہنچ جائے ان علوم کی اسے تعلیم نہیں دینی چاہیئے۔

اخوان الصفا کا طریقۂ تعلیم اخوان الصفا درجہ عالی کے نصاب تعلیم میں علوم فلسفہ کا بھی اضافہ کرتے تھے۔ اور اس معاملہ میں ان کا اپنا ایک مشہور تعلیمی مکتب فکر تھا۔ جو بہت حد تک جدید تعلیمی مکتب فکر سے ملتا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ تعلیم کی ابتدا معقولات کے بجائے محسوسات سے ہونی چاہیئے۔ چنانچہ وہ محسوسات کو ہی عقلی و الہیاتی موضوعات کے درس و

تدریس کا ذریعہ بناتے تھے۔ چنانچہ اس طرح وہ اپنے زمانے میں اسلامی عقائد کو ایک اچھوتے اسلوب میں دقیق علمی طریقے پر پیش کرنے میں کامیاب ہوئے۔ ان کے طریقۂ تعلیم کا بنیادی فکر دین اور عقل میں باہم مطابقت پیدا کرنا تھا۔ جب ابن خلدون کو نظام تعلیم کے بارے میں اخوان الصفا کے ان خیالات کا علم ہوا۔ تو اس نے ان کے نقطۂ نظر کی حمایت کی۔ اور ان ہی خطوط پر خود ایک نظام تعلیم تجویز کیا۔ وہ لکھتا ہے کہ تعلیم کا نصاب مقرر کرتے وقت یہ دو بنیادی نکات ملحوظ رہنے چاہئیں۔

۱۔ بچوں کی ذہنی استعداد

۲۔ حسی معرفت کو مقدم رکھا جائے اور اسے غیر حسی معرفت تک پہنچنے کی اساس بنایا جائے۔

تعلیم کے متعلق ابن خلدون کی آرار :۔ ابن خلدون لکھتا ہے کہ معلم کا معلم بننے کے لئے صرف صاحب علم ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اسے یہ بھی جاننا چاہیے کہ وہ کس طرح بچوں کو پڑھا سکتا ہے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ بچوں کی نفسیات سے واقف نہ ہو، اور ان کی استعداد اور ذہنی صلاحیت کو نہ جانے اسی صورت میں وہ بچوں کی فکری سطح پر نیچے اتر کر ان سے ذہنی اتصال پیدا کر سکتا ہے۔

ابن خلدون محض لفظی تعلیم پر سخت اعتراض کرتا ہے۔ اور بغیر سمجھائے کسی چیز کو حفظ کرانے کے خلاف متنبہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس طرح رٹنے سے ملکۂ فہم کی ترقی رک جاتی ہے۔ وہ ان معلموں کی مذمت کرتا ہے جو رٹانے پر تمام تر اعتماد کرتے ہیں۔ اس کے نزدیک اس سے بچوں کے ذہنوں کے اندر کوئی چیز نہیں جاتی۔ اپنے اس دعوے کی دلیل میں وہ مراکش کے شہروں کی مثال دیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اگرچہ وہاں تعلیم کی مدت ۱۶ سال ہے لیکن اس کے باوجود نہ تو بچوں میں علمی مہارت پیدا ہوتی ہے اور نہ وہ ملکۂ فہم حاصل کر پاتے ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ ان کے مدارس میں تمام تر حفظ کرانے اور رٹانے پر زور دیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس تیونس کا مروجہ نظام تعلیم ہے۔ وہاں مدت تعلیم اگرچہ پانچ سال ہے، لیکن اس کے باوجود بچے علم میں ملکہ حاصل کر لیتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں

استاد رٹانے کے بجائے بچوں کو سمجھاتے ہیں اور ان سے سوال جواب کرکے موضوع کو ذہن نشین کراتے ہیں۔ ابن خلدون استادوں کو بچوں کی عقلی نشو و نما پر نگاہ رکھنے کی ضرورت بتاتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ بچے کے ذہن میں ابتدا میں پختگی نہیں ہوتی۔ اس بارے میں ابن خلدون لکھتا ہے۔

> ہم نے اپنے اس زمانے میں اکثر استادوں کو دیکھا ہے کہ وہ تعلیم کے طریقوں اور اس کے افادیت سے ناواقف ہیں۔ چنانچہ وہ تعلیم کے شروع ہی میں بچے کے سامنے مشکل مسائل پیش کرتے ہیں اور اس سے ان کو حل کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں اور اسے وہ مشق سمجھتے ہیں ان کا خیال ہے کہ یہ صحیح طریقۂ تعلیم ہے انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ بچے میں علم حاصل کرنے کی استعداد بتدریج پیدا ہوتی ہے۔ شروع میں بچہ محسوس مثالوں کے ذریعہ اور صرف اجمالی طور پر ہی چیزوں کو سمجھتا ہے۔ اس کے بعد اس کی ذہنی استعداد بتدریج بڑھتی جاتی ہے۔

ابن خلدون بچوں کی تعلیم کے بارے میں رائے دیتا ہے کہ شروع میں اس کا انحصار اجمالی معلومات پر ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد تدریجاً انہیں تفصیلات سے واقف کرایا جائے اور وہ اس طرح کہ پہلے بچوں کو مضمون کے ہر باب کے بنیادی مسائل بتلائے جائیں۔ پھر استاد بچوں کی عقلی نشوونما کا خیال رکھتے ہوئے شرح و توضیح کے ذریعہ ان مسائل کو بچوں کے ذہنوں کے قریب کرے۔ ابن خلدون تعلیم میں محسوس مثالوں سے کام لینے کی ضرورت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ بچہ حصول علم کی ابتدا میں ضعیف الفہم اور قلیل الادراک ہوتا ہے، اور محسوس مثالوں کے ذریعے جو کچھ اسے پڑھایا جاتا ہے، وہ اس کو سمجھ لیتا ہے ابن خلدون اس پر زور دیتا ہے کہ بچہ شروع میں حواس کے ذریعے سیکھتا اور معرفت حاصل کرتا ہے۔ اسی سلسلے میں وہ طلب علم کے لئے سفر کی اہمیت پر بحث کرتے ہوئے

لکھتا ہے کہ اس سے طالب علموں کو بہت سی چیزوں کے متعلق معلومات حاصل ہو جاتی ہیں اس کے الفاظ یہ ہیں۔

> طلبہ علم اور مشائخ، ماہرین فنون اور علم و تعلیم کے بڑے لوگوں سے ملاقات کے لئے سفر کرنا کمال علم میں اضافے کا باعث ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ انسان علم و معرفت، اخلاق اور مذاہب و نفائس کبھی تو علم و تعلیم اور پڑھنے سے سیکھتے ہیں اور کبھی دوسروں کو دیکھنے اور ان کے ساتھ ملنے جلنے سے نیز استادوں سے ملنے جلنے اور ان کی زبان سے سننے سے خاص طور پر جب کہ ایک سے زیادہ اور مختلف الانواع استاد ہوں، علم و معرفت کے زیادہ اچھے طرح تحصیل ہوتی ہے۔

ابن خلدون کی رائے میں بچے کو ایک وقت میں ساتھ ساتھ دو علم نہیں پڑھانے چاہئیں۔ کیونکہ اس طرح وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی حاصل نہیں کر پاتا۔ کیونکہ دونوں طرف اس کا خیال بٹا رہتا ہے۔ اور وہ کسی ایک طرف بھی پوری طرح توجہ نہیں کر پاتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ناکام رہتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ بچہ پہلے ایک علم کی طرف پوری طرح متوجہ ہو اور اس کے مسائل کو سمجھے پھر وہ آگے بڑھے۔

ابن خلدون کے نزدیک بچے کو اس کے ایک خاص فکری سطح پر پہنچنے کے بعد ہی قرآن مجید کی تعلیم دینی شروع کرنی چاہیئے۔ وہ اپنے زمانے کے استادوں اور تربیت دینے والوں کے اس طریقے کی جو اس زمانے میں رائج تھا مذمت کرتا ہے جس میں کہ بچے کی تعلیم حفظ قرآن سے شروع کی جاتی تھی۔ اس خیال سے کہ اس طرح شروع ہی میں قرآن حفظ کرنے سے وہ فصیح عربی لکھنے اور بولنے کا عادی ہو جائے گا اور قرآن بچے کو بُرائیوں سے بچائے گا۔ ابن خلدون کے زمانے میں عام طور پر تعلیم دینے والوں کا یہ عقیدہ تھا۔ اس لئے وہ اصرار کرتے تھے کہ بچے کی تعلیم کا آغاز حفظ قرآن سے ہو بغیر اس کے معانی سمجھے۔ ان کا خیال تھا کہ ایام طفولیت میں قرآن حفظ کرنے سے

انہیں عربی سیکھنے میں مدد ملے گی۔ اس طریقۂ تعلیم کی تنقید کرتے ہوئے ابن خلدون لکھتا ہے

> بے شک قرآن اللہ کا کلام ہے جسے اس نے بندوں کے لئے اتارا ہے لیکن جب تک بچہ اس کے معانی نہ سمجھے اور اس کے اندر قرآن کے اسالیب بیان کا ذوق پیدا نہ ہو اس کا زبان سیکھنے پر کوئی اثر نہیں پڑتا قرآن کی لغوی و معنوی تاثیر صرف اس وقت ہو سکتی ہے، جب بچہ اپنی پختگی میں ایک خاص درجہ پر پہنچ جائے اور جو وہ پڑھے اس کے معانی سمجھنے لگ جائے۔

قرآن کے دوسری زبانوں میں ترجمے کے بارے میں ابن خلدون کی رائے ہے کہ "ان القرآن والسنۃ عربیان ولا یمکن ترجمتہما وبخاصۃ القرآن الکریم" (قرآن و سنت عربی میں ہیں۔ اور ان کا ترجمہ ممکن نہیں اور خاص طور پر قرآن کریم کا)

ابن خلدون کی رائے میں دو عوامل جو تعلیم کی راہ میں رکاوٹ بن گئے ہیں، ان میں سے پہلی کتابوں کے اختصار کا رواج بھی ہے۔ اس پر بحث کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ علمائے متاخرین کو اس طریقۂ اختصار سے خاص شغف رہا ہے۔ اسی لئے مختصرات اور متون کی بڑی کثرت ہو گئی ہے۔ ان علمائے متاخرین میں سے وہ فقہ اور اصول فقہ میں ابن الحاجب اور نحو میں ابن مالک کا نام لیتا ہے۔ ان مختصرات پر تنقید کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے۔

> یہ تعلیم کے لئے وجہ فساد، تحصیل علوم کے لئے باعث اختلال، اور مختصر اور عسیر الفہم عبارت کے الفاظ کو حل کرنے اور ان سے مسائل کے استخراج کے لئے متعلم کے وقت کو ضائع کرنے کا سبب ہیں۔ اور یہ چیز تعلیم سے جو ملکہ حاصل ہوتا ہے، اس کی راہ میں ایک روک بن گئی ہے۔ متاخرین کا مختصرات کی طرف اس لئے رجحان ہوا کہ انہوں نے متعلمین کے لئے ان کا حفظ کرنا آسان دیکھا، چنانچہ انہوں نے متعلمین کو اس سخت راہ پر ڈال دیا جو ان میں اور نفع بخش ملکات کے حصول میں حائل ہو گئی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بعد کے زمانے میں علمار ترک امرا سے تقرب حاصل کرنے کے لئے متون مرتب کیا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کی اولاد کے لئے ان متون کے ذریعہ علوم کا حفظ کرنا ممکن ہوتا تھا۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ مختصرات کی ترتیب اور متعلمین کو متون حفظ کرانے میں جو اس قدر اہتمام کیا جاتا تھا، یہ ایک بڑا قوی محرک تھا اس جمود کا جو ان زمانوں میں ثقافت کے واقع ہوا۔

ابن خلدون بچوں کے ساتھ نرمی برتنے اور ان پر سختی نہ کرنے کی نصیحت کرتا ہے وہ لکھتا ہے کہ تعلیم کے معاملے میں متعلم پر جبر کرنا اس کی جسمانی صحت کے لئے مضر ہے اور خاص طور سے بچوں پر اس کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ اگر لڑکے پر سختی کی جائے اور اسے دبایا جائے تو وہ تنگ آجاتا ہے۔ اس کی چستی و مستعدی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کا جھوٹ تساہل اور مکر و فریب کی طرف رجحان ہو جاتا ہے۔ اور اس صورت میں وہ ظاہر کرنے لگتا ہے، جو اس کے ضمیر میں نہیں نہیں ہوتا اور اس طرح صغر سنی ہی سے اس کے دل میں انسانیت کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی۔ اس ضمن میں ابن خلدون یہود کی مثال دیتے ہوئے لکھتا ہے

> تم یہود کو دیکھو کہ ان میں (اس سختی اور جبر کی وجہ سے) کتنے برے اخلاق پیدا ہو گئے ہیں، یہاں تک کہ ہر جگہ اور ہر زمانے میں وہ مکر و فریب کے ساتھ موصوف کئے جاتے ہیں۔

ابن خلدون معلمین اور والدین کو نصیحت کرتا ہے کہ وہ تعلیم و تربیت میں بچوں کے ساتھ سختی نہ کریں اس سلسلہ میں وہ کہتا ہے۔ بہترین طریقۂ تعلیم وہ ہے جس کی کہ ہارون الرشید نے اپنے بیٹے امین کے استاد اور برمکی کو نشان دہی کی تھی۔ ہارون نے کہا تھا۔ اے احمر! امیرالمومنین نے اپنی جان اور اپنے دل کا ٹکڑا تمہارے حوالے کیا ہے۔ اس پر اپنا ہاتھ نرم رکھو، آپ کے لئے تمہاری اطاعت لازمی ہے۔ امیرالمومنین نے اس کے معاملے میں تمہیں جس مقام پر بٹھایا ہے تم اسی مقام پر رہو۔ اسے قرآن پڑھاؤ۔ تاریخ سے باخبر کرو اسے شعر سناؤ۔ اور شعر کی تعلیم دو۔ کلام شروع کرنے کے آداب اور اس کے موقع و محل کا اس کے اندر ذوق پیدا کرو۔ اسے بے وقت سننے سے روکو۔ جب بنو ہاشم